نام کتاب :	تصوف، اولیائے مانکی شریف اور تحریک پاکستان
مصنف :	ڈاکٹر عبدالرشید
ناشر:	اولیاء اکیڈمی، پاکستان بوسیلہ بنی امین، مانکی شریف
اشاعت :	ستمبر ۱۹۹۱ء
صفحات :	۴۸ تقاریظ، تمہید + ۲۵ ضمائم و اشاریہ کل = ۳۲۰
ہدیہ اندرون ملک :	۱۲۵ روپے۔ مجلد، کاغذ اور طباعت نفیس
ملنے کا پتہ :	ماڈرن بک ڈپو میلوڈی مارکیٹ، اسلام آباد
	یا طاہر سنز، اردو بازار کراچی

ڈاکٹر عبدالرشید جامعہ کراچی میں علوم اسلامیہ کے استاذ اور ایک سیار محقق و مصنف ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ان کی دسویں کتاب ہے۔ اس سے قبل ان کی نو کتابیں، جن کا موضوع قرآن فہمی، ادیان کا تقابلی مطالعہ، سیرت رسول تصوف اور تذکرہ صوفیا ہے اور زبان اردو اور ہندکو، زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ ان کی فہرست زیر تبصرہ کتاب کی جلد کے اختتامی صفحے پر مرقوم ہے۔

کتاب کی ابتدا میں مختلف ارباب اقتدار اور صاحبان دانش و روحانیت کی آراء دی گئی ہیں۔ مصنف کے تعارف کے ساتھ یہ سلسلہ ابتدائی ۴۸ صفحات پر محیط ہے۔ اصل کتاب چھ ابواب پر بایں صورت مشتمل ہے:

باب اول، تصوف کی شرعی حیثیت	صفحہ ۴۹ تا ۹۸
باب دوم، تصوف کا تاریخی ارتقاء	صفحہ ۹۹ تا ۱۲۴
باب سوم، تصوف ممالک اسلامیہ میں	صفحہ ۱۲۵ تا ۱۴۴
باب چہارم، تصوف اور اولیائے مانکی شریف	صفحہ ۱۴۵ تا ۱۹۲
باب پنجم، حضرت امین الحسنات	صفحہ ۱۹۳ تا ۲۵۴
باب ششم، پیر مانکی شریف اور قومی سیاستدان	صفحہ ۲۵۵ تا الی آخر

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

جہاں تک کتاب کے آخری تین ابواب کا تعلق ہے' ان میں بلا نزاع مفید مواد ہے۔ اولیائے مانکی شریف باعمل اور صاحب دعوت صوفیہ میں سے تھے۔ وہ خانقاہ نشین ہی نہیں تھے' انہوں نے جہاد کیا' اصلاح معاشرہ پر توجہ دی' دین و دنیا کو یکجا جانا اور سیاست میں نہایت پاک بازانہ شرکت کی۔ ان کی خدمات کی بنا پر صوبہ سرحد کی تحصیل نوشہرہ کا یہ چھوٹا سا قصبہ روحانیت اور سیاست کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ اکابر اولیائے مانکی شریف سے حسب ذیل حضرات کرام مراد ہیں جن کی تاریخ کوئی دو صدیوں پر محیط ہے: پیر سید عبدالوہاب ۱۲۱۲ تا ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء' پیر عبدالحق ثانی ۱۲۶۵۔ ۱۳۴۷ھ/ ۱۸۴۸۔ ۱۹۲۸ء) پیر عبدالروف ثالث (متوفی ۱۹۳۴ء) پیر سید امین الحسنات ۱۹۲۲ء تا ۱۹۶۰ء اور پیر شمس الامین (موجودہ سجادہ نشین)۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں جواں سال اور بیدار مغز پیر سید امین الحسنات کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے سرحد میں مسلم لیگ کو منظم کیا' نظریہ پاکستان کو اجاگر کیا' قائداعظم کی جان و دل سے معاونت فرمائی ' بانی پاکستان کے سرحد کے دوروں (۱۹۳۶ء ۱۹۴۵ء) کے موقع پر ان کا والہانہ استقبال کروایا' پاکستان کے حق میں ریفرنڈم جتوایا اور بعد میں جہاد کشمیر میں شرکت فرمانے کے علاوہ انہوں نے سیاست پاکستان کی تطہیر اور یہاں شرع اسلامی کے نفاذ کی خاطر بے مثال خدمات دیں۔ حضرت پیر صاحب نے امارت و وزارت سے ہمیشہ احتراز برتا اور تحریک پاکستان کی پرجوش حمایت کرنے کے جرم میں انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کی تھیں۔ موصوف کے ایک صاحبزادے پیر زادہ سید روح الامین نے کتاب کی ایک تقریظ میں لکھا ہے:

"... ہمارے جد امجد سید عبدالوہاب نے جہاد کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ کی تحریک کی بنیاد منشیات کے انسداد سے کی (تمباکو نوشی) اور آج پوری دنیا انسداد منشیات پر بے پناہ زور دے رہی ہے۔ ہمارے سلسلے کے دوسرے بزرگ عبدالحق ثانی صاحب نے ڈسپلن اور عملی اجتہاد کو اصلاح کی بنیاد بنایا اور آج وہی قومیں عروج پر ہیں جن میں یہ دونوں خصوصیات موجود ہوں۔ ہمارے دادا جان عبدالروف ثالث صاحب نے حصول علم اور مشاہدہ کے لئے سفروسیاحت کو اپنایا اور آج جدید تر ٹکنالوجی کے لئے دیار غیر کی سیاحی لازمی ہے۔ ہمارے والد محترم سید امین الحسنات نے دین و دنیا میں توازن کی تعلیم دی اور آزاد سیاست میں اپنا بھرپور کردار ادا کر کے بدعت' رسوم و رواج' جہالت اور غلامی کے خلاف جہاد کرتے ہوئے ہمیں صاف ستھرا عقیدہ عطا

کرنے کے ساتھ ساتھ رسوم و رواج، جہالت اور غلامی سے نجات دلوائی اور آج بھی پوری دنیا انہی فتنوں سے نجات کے لئے تگ و دو کر رہی ہے ..." (صفحہ ۱۳)

ان خدمات کی اہمیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ تاہم مصنف نے کتاب کے پہلے تین ابواب کی طرح یہاں بھی کچھ صوفیانہ تصرفات، دعوؤں اور تاویلات کو نقل کر دیا جنھیں ثقہ صوفیہ کبھی بیان نہیں کیا کرتے۔ تصوف کا اہم ترین نکتہ کتمان سر ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالی نے صوفیا کے ترک دعویٰ کے بارے میں کہا ہے۔

سنا ہے صوفی کا قول ہے کہ "ہے طریقت میں کفر دعویٰ"

کہہ دو کہ یہ دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے

مبصر کو معجزات، کرامات اور خوارق سے انکار نہیں کیونکہ وہ من جانب اللہ ہوتے ہیں اور تقدیر کاف و نون جو چاہے لکھے یا صادر کرے۔ اسے خام اور پختہ افراد کے فرق و امتیاز کا احساس ہے اور ارادت و عقیدت کے ہاتھوں مبالغہ آرائی کی مجبوری کا بھی۔ صرف ایک بات عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

قرآن مجید کی سورہ کوثر حاکی ہے کہ یہ نعمت کثیر سے عطا ہوئی اور اصطلاحاً ساقی کوثر کون ہے۔ پھر صاحب کوثر اذن خدائی سے کئی خوش نصیبوں کو سقایت کوثر پر مامور فرمائیں گے۔ مگر مصنف نے حضرت شیخ عبدالوہاب کو ایک معاصر بزرگ کے رویاء مکاشفہ کی بنا پر ساقی کوثر لکھا ہے۔ کاش وہ یکے از ساقیاں کوثر لکھنے کی احتیاط فرماتے (صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶)

پہلے تین ابواب:

کتاب کے پہلے تین ابواب میں بہت سی باتیں ایسی ملتی ہیں جن کے بارے میں اختلاف آراء کا امکان ہے۔ راقم الحروف نے فتوت یا جوانمردی کے بارے میں تحقیقات کی تھیں۔ وہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ یہاں دین کی اکثر تعلیمات اہل تصوف سے مربوط کی گئی ہیں اور وہاں اہل فتوت سے۔ اس میں شک نہیں کہ متوازن صوفیا نے زھد، تقوی، رواداری، اخلاص اور وسیع القلبی کا غیر معمولی مظاہرہ کیا اور ان کی وجہ سے تبلیغ اسلام کا کام بڑا وسعت پذیر ہوا۔ صوفیہ صاحبان سیف و قلم میں سے بھی تھے۔ جنھوں نے ترک دنیا کیا، ان کا عمل سب کے لئے قابل

تقلید نہ سہی، مگر خدائے تعالیٰ نے ان کی مذمت سے بھی منع کیا ہے (۲۸: ۱۸) کیونکہ سب عابد و زاھد صوفیہ کا مشاہدات اور تجلیات سے مغلوب احوال نہ ہونا فطرت انسانی کی تاب و تواں سے باہر تھا۔ البتہ جملہ انبیاء کرام، سیرت رسول، تاریخ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعض اعمال کو "تصوف" قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ جن علمائے حق مثلاً ابن جوزی اول (م ۵۹۷ھ) یا ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے تصوف یا فتوت کی مخالفت کی، ان کے خلوص کو ہدف تنقید بنانا زیادتی ہو گی۔ تصوف نے دیگر آداب عبدیت کی طرح، یقیناً اسلامی تعلیمات کے تحت ہی نشو و نما پائی ہے مگر یہ کہنا مشکل ہو گا کہ اس پر ہر زمانے کے علوم عقلی کا اثر نہیں پڑا۔ بعض صوفیا نے فلسفے کا غیر معمولی اثر قبول کیا مگر اس کتاب کے مصنف ان اثرات کو معمولی بتاتے ہیں (صفحہ ۱۱۸)۔

۱) مصنف عرف عام کی اصطلاح میں اولیاء اور صوفیا کو مترادف مانتے ہیں (صفحہ ۵۴) حالانکہ قرآن مجید کا فرمان ہے کہ "الله ولی الذین آمنوا (۲۵۷: ۲)۔ آیہ کریمہ ہے: "واعلموا ان الله مع المتقین" (۱۹۴: ۲) کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ: "اہل تصوف کی خصوصیت تقوی بیان کرنے کے بعد قرآن نے یہ نوید ..." (صفحہ ۵۵) (الخ)۔ آیہ مذکور میں متقی مومنین کا بیان ہے جسے ایک گروہ سے مخصوص کر کے دوسروں کو محروم نہیں کرنا چاہیئے۔

۲) معروف حدیث جبرئیل میں مذکور "احسان" اور ہے اور عرف عام کا احسان، نیکی کرنا ہے۔ آیہ قرآن ہے: "واحسن کما احسن الله الیک" (۷۷: ۲۸)۔ اس کا ترجمہ یوں دیا گیا ہے: "اور احسان کر جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا" (صفحہ ۵۷)۔ بعد میں صوفیا کے تبلیغ اسلام اور تحریک پاکستان کی کامیابی کے احسانات کا ذکر ہے۔ مصنف نے ان مطالب کو "نظریہ احسان اور تصوف" کے عنوان سے لکھا ہے حالانکہ چند صفحے بعد (صفحہ ۶۰) انہوں نے نظریہ احسان کی حامل حدیث جبرئیل بھی جزواً نقل کی ہے۔

۳) احادیث سے صوفیا نے جس خوش اعتقادی سے استفادہ کیا ہے، اس کی بنا پر "احادیث صوفیا" کی اصطلاح وضع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے احادیث، صوفیا کے بارے میں تحقیق کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے مثلاً الفقر فخری کے قول کے بارے میں (صفحہ ۹۵) جو حدیث رسول کے طور پر مشہور رہا ہے۔ دیکھیں کیا نتائج نکلیں گے۔

اشعار کا استحصال:

اس کتاب میں عربی، فارسی، اردو اور پشتو کے اشعار درجنوں منقول ہوئے ہیں۔ ان میں مراثی اور مناقب کے علاوہ اشعار کے محل استعمال کے نمونے شاذ ہی ہیں۔ زیادہ استحصال علامہ اقبال کے اشعار کا مشہود ہے۔ ایک مثال کی طرف اشارہ کر دیں۔

عنوان "اہمیت بیعت" کے تحت مصنف بحث کا اس طرح آغاز کرتے ہیں:

"تصوف میں بیعت کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مرید کو نور سکینہ کے حصول کے راستے بتاتا ہے جس پر چل کر طالب طریقت وہ مقام حاصل کر لیتا ہے کہ جو بڑے بڑے اہل علم نہیں کر پاتے۔ وہ خودی کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ رہتی دنیا تک اس کا ذکر ایک مثال بن جاتا ہے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے:

حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر

اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش" (صفحہ ۵۶)

غنیمت ہے کہ "خودی" اب ارباب تصوف کے ہاں بھی مقام فضیلت بن گیا اور "مرد قلندر" نے راز خودی بھی فاش کیا ہے مگر اس شعر کا یہاں نقل کیا جانا کس مناسبت سے ہے؟ علامہ اقبال کی کتاب ضرب کلیم میں بھی ایک دو شعری قطعے کا عنوان "اقبال" ہے یعنی قطعہ شاعر کے اپنے مقام کے بارے میں ہے۔

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی

مشرق میں ہے ابھی تک وہی کاسہ وہی آتش

حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر

اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش

سنائی غزنوی (م ۵۴۵ ھ) اور رومی (م ۶۷۲ھ) کی مماثلت فکر اور عظمت انسانی سے متعلق ان

کے درس سے قارئین کرام آگاہ ہیں۔ اقبال نے حسین ابن منصور حلاج کے قول "انا الحق" کے معانی "انا یا خودی حق ہے" بتائے ہیں اور اسی مناسبت سے تصور خودی کی نت نئی توجیہات کی ہیں:

مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ دار و رسن کی تلاش میں ہے ابھی...

تاریخی تسامحات:

اس معاملے میں بھی کتاب خاصی ثروت خیز ہے۔ ایک دو مثالیں نقل کر دیں۔

۱۔ شیخ عطار ۶۱۸ھ میں شہید ہوئے' ۶۲۰ھ نامعلوم کس نے لکھا ہے (صفحہ ۱۲۷)۔

۲۔ مصنف نے عہد شاہجہانی (قرن ۱۱ھ) کے سرمایہ تصوف میں شیخ یحیی منیری بہاری کے مکتوبات کا ذکر کیا ہے (صفحہ ۱۳۳) حالانکہ ان کا عصر تین صدیاں مقدم ہے (م ۷۸۲ھ)۔

۳۔ سید نعمت اللہ ولی دو تین معروف ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کا قصیدہ حوادث مستقبل ای۔ جی براؤن نے بھی تاریخ ادبیات ایران میں نقل کیا ہے۔ دوسرے صاحب دیوان فارسی شاعر ہیں جن کی نسبت کرمانی بھی لکھی جاتی ہے (م ۸۳۴ھ)۔ ان کا روحانیت پرور مزار ایران کے صوبہ کرمان کے مقام ماھان میں ہے۔ اسے مبصر نے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں دیکھا ہے۔ ایک تیسرے بزرگ مصنف کے ہاں مذکور ہیں۔ (۸۰۱ تا ۸۸۵ھ)۔ مگر ان کی بنگال کے عہد جہانگیر کے گورنر کے ہاں آمد کا ذکر گلشن ابراہیمی یعنی تاریخ فرشتہ کے حوالے سے آب و تاب کے ساتھ مذکور ہے (صفحہ ۷۹۔ ۸۰)۔ یہاں بھی سیاق تاریخ کا لحاظ کئے بغیر بات لکھ دی گئی ہے۔ عہد جہانگیر قرن ۱۱ھ سے متعلق ہے۔

استنتاجات:

تعجب ہوتا ہے کہ اورنگزیب عالمگیر کی شرع دوستی پر داراشکوہ اور سرمد کے اباحی رویے کو ترجیح دی گئی اور عہد عالمگیری میں تصوف کے زوال کو خاندان مغلیہ کے اضمحلال کی بڑی وجہ بتایا گیا (صفحہ ۱۲۲۔ ۱۳۳)۔ علامہ اقبال سے مصنف نے بہت استناد کیا ہے۔ انہوں نے تو اورنگ

زیب کو برصغیر میں دو قومی نظریے کا حقیقی بانی قرار دیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی اقلیت کا خیال نہ کیا اور اپنی پوری وسیع سلطنت میں شرع اسلامی کو نافذ کیا۔ داراشکوہ کیا یہ کام کرنے کا روادار ہو سکتا تھا؟

ڈاکٹر عبدالرشید نے اپنی کتاب کے ملک کے اندر اور باہر متداول کروانے کا خوب خوب اہتمام کیا ہے۔ ہم نے آخری تین ابواب کی توصیف کی اور پہلے تین ابواب میں کچھ احتیاطی رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے ۔ اگر انہیں کوئی بات پسند آئے اور وہ آئندہ اشاعتوں میں مبصر کے مشوروں کو قابل اعتناء سمجھیں تو بے حد مسرت ہوگی۔

(ڈاکٹر محمد ریاض)